سالگرہ نمبر



فاخرہ گل

خالہ سالا اور پیزا والا

۶
چھٹی قسط

عین اس وقت جب گلی میں سوکھی روٹی اور ٹین ڈبے لینے والوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں علی بھی اپنے کمرے سے نمودار ہوا۔ چینا ایک صوفے پر بیٹھی نیل پالش لگا رہی تھی جبکہ خالہ دھوبی کو دیے جانے والے کپڑوں کی گٹھڑی بنائے اس کے سامنے ہی خود بھی پاؤں اوپر کرکے گٹھڑی ہی بنی بیٹھی تھیں۔ علی کو آتا دیکھا تو گٹھڑی کی گرہیں ایک ایک کرکے کھلنے لگیں۔

"یہ تمہارا جاگنے کا وقت ہے؟؟"

"کمال ہے ایک تو گھر کی بچت کرتا ہوں پھر بھی آپ کو اعتراض ہے۔" علی نے خالہ کو آنکھوں کے بجائے معدے سے دیکھا کیوں کہ جب اس کا معدہ خالی ہوتا تو زبان کے علاوہ تمام اعضا ساتھ چھوڑتے محسوس ہوتے تھے۔

"گھر کی بچت اور تم؟" خالہ نے سامنے رکھی گٹھڑی پر پاؤں پسارے۔

"تو اور کیا' دیر سے جاگتا ہوں تو کیا ناشتے کی بچت نہیں ہوتی؟؟"

"واہ واہ واہ علی تم تو واقعی چینا کے بھائی ہو کاش چینا تمہیں فلاسفر کہہ سکتی۔"

چینا نے داد طلب نظروں سے خالہ کو بھی دیکھا' مگر انہوں نے کوئی لفٹ نہ کروائی۔

"کھانا دنیا کا وہ واحد کام ہے جو انسان روزانہ کم از کم تین مرتبہ کرتا ہے' مگر پھر بھی نہیں اکتاتا' اور جو اکتائے سمجھ لیں کہ یا تو وہ بیمار ہے یا کسی کی محبت میں گرفتار ہے۔"

"ایک تم اور ایک تمہارا یہ فضول سا بھائی.... کبھی کھانے کے علاوہ بھی سوچ لیا کرو۔" ضمیر بھائی نے کسی دلن کی طرح انٹری دی تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے کہیں سے چیک بک ڈھونڈ لو ورنہ اگر پولیس نے کارروائی کردی نا تو سارے محلے میں ہم چور مشہور ہو جائیں گے۔"

"واؤ.... اللہ تیرا شکر ہے کہ ہم بھی مشہور ہونے والے ہیں۔" چینا نے جوش میں صرف اس کا آخری جملہ ہی یاد رکھا۔

"یہ گم نامی کی زندگی بھی کیا زندگی ہے.... سچ کتنا مزا آئے گا نا پولیس کارروائی کے بعد جب سب لوگ ہمیں دیکھ کر پہچان لیا کریں گے۔" چینا نے بات کرتے ہوئے پھر مارا اور یہ تو پھر چینا تھی ورنہ مچھر کو تو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سنجیدہ ترین بندے کو بھی بیٹھے بٹھائے تالیاں "مارنے" پر مجبور کر سکتا ہے۔

"چینا تمہارا دماغ واقعی خراب ہے۔" ضمیر بھائی نے اعتراف کیا تو خالہ کو اپنی ہی جنس کی توہین برداشت نہ ہوئی۔

"ضمیر وہ بے چاری خوش ہے تو ہونے دو' کسی کے جذبات سے کھیلنا جانتے ہو کتنی بری بات ہے۔"

"جذبات سے؟ میں نے تو آج تک بال سے نہیں کھیلا۔"

"تو ضمیر بھائی آپ کے بال اس قابل ہیں ہی نہیں کہ آپ ان سے کھیلیں' ہاں کوئی دوسرا آپ کے چکنے چپڑے بالوں پر اسکیٹنگ کرنا چاہے تو اور بات ہے۔" علی نے نسوانہ انداز میں جمائی لی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' نہ ڈھونڈو' یہ میرا ہی تو مسئلہ نہیں ہے نا۔" ضمیر بھائی بھی زچ ہو کر وہیں بیٹھ گئے۔



"میں تمہارے ساتھ مدد کرتی، لیکن میرا اپنا چشمہ نہیں مل رہا اور میں تو چشمہ لگائے بغیر اپنا چشمہ بھی نہیں ڈھونڈ سکتی۔"

"خالہ وہ ذرا بوڑھی عورت دیکھیں سامنے" چینا نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا تو سب ادھر متوجہ ہوئے۔

"کہا تو ہے کہ عینک کے بغیر اتنی دور نہیں دیکھ سکتی۔" خالہ نے آنکھیں سکیڑ کر کھڑکی کے باہر دیکھا۔

"ارے خالہ وہ بوڑھی عورت جو اس ڈیشنگ سے آدمی کے ساتھ کھڑی ہے۔"

"اچھا وہ آدمی، جو بلیک تھری پیس میں ہے؟ جس کے کوٹ کی اوپری جیب میں گلاب کی ادھ کھلی کلی، بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں زرقون کی انگوٹھی اور دائیں گال پر مونچھوں کے بالکل ساتھ ہلکا سا تل ہے، کیا اس آدمی کی بات کر رہی ہو؟" خالہ نے پوچھا۔

"نہیں بات تو چینا اس کے ساتھ کھڑی بوڑھی عورت کی کر رہی ہے جو اس عمر میں بھی بغیر عینک کے کچھ پڑھ رہی ہے۔" چینا نے گہرا سانس لیا کہ خالہ نے دیکھا تو.....

"کون بوڑھی عورت؟ ارے نظر کہاں آتا ہے اتنی دور سے؟"

اور تب چینا کا شدت سے دل چاہا تھا کہ اٹھ کر بال ہی نوچ لے 'اپنے نہیں بلکہ خالہ کے' لیکن پھر دانت پیس کر ہی رہ گئی۔

"ویسے ایک آئیڈیا ہے۔" علی نے ضمیر بھائی کی بے چارگی محسوس کرتے ہوئے کچھ سوچا اور باوجود اس کے کہ اسے اپنا سابقہ آئیڈیا بھی فلاپ ہوتا نظر آرہا تھا ہمت نہ ہارتے ہوئے بولا۔

"آپ پولیس اسٹیشن جائیں اور وہاں جا کر ایک رپورٹ درج کروا کر آئیں چیک بک کی چوری کی۔"

"کیا مطلب؟" ضمیر بھائی سمیت چینا اور خالہ نے بھی علی کو یوں دیکھا جیسے عام طور پر لوگ موبائل فون کا کارڈ دیکھتے ہیں۔ کھرچنے سے پہلے نہیں بعد میں۔

"مطلب یہ کہ کل حوالدار نے رپورٹ تو درج کی نہیں ہے اس لیے آپ خود ہی رپورٹ درج کروا آئیں گے تو یہ اس بات کا ثبوت بھی ہوگا کہ ہم نے چوری نہیں کی' اگر کرتے تو رپورٹ تو نہ لکھواتے نا۔" علی نے گھر میں اکلوتا ذہن ہونے کا ثبوت دیا تو ضمیر بھائی کو اس لمحے علی بغیر بتائے ہی خوب صورت ترین انسان لگنے لگا۔

ویسے بھی خوب صورت وہ نہیں ہوتا جس کے نقش خوب صورت ہوں یا جس پر دنیا فدا ہو بلکہ خوب صورت تو وہ ہوتا ہے جو آنکھوں کے سامنے آتے ہی دل میں جگہ بنالے اور اس لمحے علی نے ضمیر بھائی کے دل میں کم از کم کنال بھر کا پلاٹ تو اپنے نام کروا ہی لیا تھا۔ جب ہی وہ بغیر کچھ کہے فوراً" ہی یوں وہاں سے اٹھے جیسے ذرا سی دیر ہوئی تو پولیس اسٹیشن وہاں سے غائب ہو جائے گا۔



اوکھا ہویا ہم سے اکڑا کی کریے
ایسے گل پر ہوگیا جھگڑا کی کریے
جی کرتا ہے اوس رقیب کی گدڑ کٹ لگائیں
لیکن ہے وہ ہم سے تگڑا کی کریے

ابا دونوں ہاتھ کمر پر باندھے یہاں سے وہاں چکر کاٹتے ہی چلے جا رہے تھے۔ حوالدار کے رپورٹ درج نہ کرنے پر ایسا غصہ تھا کہ دل چاہ رہا تھا اس کے ساتھ وہ کریں جو گنے کے ساتھ اس کا رس نکالنے کے لیے کیا جاتا ہے اور پھر فون پر موجود اس حسینہ کی آوازیں اب انہیں وہی نرماہٹ لگنے لگی تھی جو ہاٹ پاٹ میں دیر تک رکھی روٹی میں ہوتی ہے۔ یعنی تازگی سے عاری! اور اس سب میں سارا قصور ان کے خیال میں حوالدار کا تھا جس نے اب تک کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

"ابا..... میں نے رکھے تھے ریموٹ کے سیل کہیں۔ دیکھے ہیں آپ نے؟" چندا ہاتھ میں ریموٹ لیے پوچھ رہی تھی اور ابا جو پہلے ہی گھر آیا رشتہ ہاتھ سے نکل جانے کے ممکنہ امکان پر پریشان تھے بغیر کچھ بولے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لیا اور زور سے اپنی ہی

ہتھیلی پر دے مارا۔

"ٹی وی کے ریموٹ وی پاکستانی بچوں کی طرح تھپڑ کی زبان سمجھتے ہیں پتری۔۔۔ ایک دم کوئی جذباتی ہو کے نواں سیل نہ ڈال دیں اس میں۔"

"ٹھیک ہے ابا۔" ریموٹ واپس لیتے ہوئے اس نے ابا کے چہرے پر اڑتی دھول نما پریشانی دیکھی۔

"آپ ہیں کچھ پریشان آج کیا ہے بات؟"

"او بات تے کُش وی نئیں، بس چیک بک دی ٹنشن نے پرشان کیا ہوا ہے، تے فیر بنک والوں کو وی تے سوچنا چاہیے۔ ناکہ اپنا روپیہ پیسہ ہوتا ہے تے چیک بک وی کم از کم فٹ ڈیڑھ فٹ وڈی تے ہونی چاہیے کہ نئیں؟"

"فٹ ڈیڑھ ابا؟" چندا نے حیرت سے یوں دیکھا گویا کیدو اور ہیر کی صلح ہو رہی ہو۔

"تے ہور کی؟ فٹ ڈیڑھ کی ہوگی تے کوئی جیب وچ تے نئیں ناڈال سکے گا۔" ابا نے منطق پیش کی اور اپنی تائید میں خود ہی سر بھی ہلانے لگے بالکل ایسے جیسے دلہن ایجاب و قبول کر رہی ہو فرق صرف اتنا تھا کہ ابا سر ہلانے کے ساتھ اپنی بھنوؤں کو بھی اس قدر اونچا کرتے کہ لگتا ماتھے کے رستے بالوں سے ملوانا چاہ رہے ہوں۔

"او اگر چیک بک کوئی ڈال کے لے جائے اپنے پرس میں؟" چندا نے ممکنہ خطرہ۔۔۔ جھجکتے ہوئے بیان کیا تو ابا کے آئی برو بالوں کے عنقریب ہی رک گئے۔

"جے ایسا ہویا تے فیر میں نے وہ کرنا ہے جو آج تک نئیں کیا؟"

"کرنا کیا ہے ایسا آپ نے ابا؟"

"پتری میں نے آج تک کسی پر ہاتھ نئیں اٹھایا۔ پر دوسروں پر انگلی ضرور اٹھائی ہے۔ تے جے کسی نے میری چیک بک اٹھائی ناتے میں نے اس کا پورا بنک اٹھالینا ہے، اہو!" ان کے ممکنہ اقدام پر چندا نے گہری سانس لی اور مسکرا کر کمرے سے واپس چلی گئی۔ اس کا یہ ہی مسکرانا ابا کو اب پریشان کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ضمیر بھائی پولیس اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ رات میں آنے والا حوالدار کسی ایمرجنسی میں اپنے آبائی شہر جا چکا ہے اور اس کی جگہ چند روز کے لیے کسی دوسرے کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ سپاہی نے تو یہ تک بتایا کہ حوالدار کی خواہش تھی کہ اسے ڈرون پر بٹھا کر اس کے گھر کی چھت پر گرا دیا جائے۔ جھولے کا جھولا ہو جائے گا اور سرپرائز کا سرپرائز، لیکن اس کی یہ خواہش رد کرتے ہوئے اسے ٹرک پر بھیجا گیا ہے۔

"السلام علیکم جناب!" ضمیر بھائی نے خود کو مہذب ظاہر کرتے ہوئے سلام کیا، جس کا کوئی بھی جواب موصول نہ ہوا، بلکہ سامنے موجود وردی میں بیٹھا حوالدار مسلسل لکھنے میں ہی مصروف رہا تو انہوں نے خود بھی کرسی گھسیٹی اور اس سے پہلے کہ بیٹھ بھی جاتے حوالدار کی غصیلی نظریں اٹھیں تو وہ وہیں کے وہیں رک گئے۔ اب حالت یہ تھی کہ دیکھنے والے نہ تو ان ہی کھڑے ہوؤں میں شمار کر سکتے تھے نہ بیٹھے ہوؤں میں۔

"یہ۔ یہ کیا کر رہے تھے تم؟"

"کچھ نہیں جناب! میں تو بس۔۔۔"

"میں تو بس کیا ہوتا ہے؟ پتا بھی ہے سرکاری املاک کو ادھر ادھر کرنے کے جرم میں تمہیں کتنی سزا ہو سکتی ہے؟"

"لیکن جناب! میں نے تو کسی سرکاری املاک کو۔۔۔" دھیرے دھیرے کوشش کے بعد آخر کار ضمیر بھائی اپنا شمار کھڑے ہوئے لوگوں میں کروانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"اچھا تو کیا یہ کرسی سرکاری املاک نہیں ہے؟ اسے گاڑی میں رکھ کر لائے ہو؟"

"لیکن وہ۔۔۔"

"لیکن ویکن کیا۔۔۔ ایک تو جرم کرتے ہو، اوپر سے اعتراف جرم بھی نہیں کرتے۔" حوالدار نے سامنے کھڑے ضمیر بھائی کو یوں دیکھا جیسے بچے عمارتوں سے

گنبد دیکھا کرتے ہیں۔ "جناب! پہلے کبھی اوپر سے اعتراف جرم کیا ہے کیا؟"

"پہلے اور اب میں بڑا فرق ہے۔ پہلے پ سے اور اب الف سے لکھتے ہیں' سمجھے؟" حوالدار نے قابلیت جھاڑتے ہوئے بات گول مول کر ڈالی۔ سرکاری محکموں کی یہ ہی تو خاصیت ہوتی ہے کہ جہاں اوپر والوں پر حرف آنے لگے۔ اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیے وہ حرف ہی مٹا دیا جاتا ہے لیکن ایسا بعض اوقات نہیں بھی ہوتا۔

"حیرت ہے' ہم تو پہلے اور اب دونوں کو پین سے لکھتے ہیں؟" ضمیر بھائی نے فری ہونے کی گستاخی کرنا جائز خیال کیا۔

"یہ ہی نہیں ہم تو پی آر کو بھی..."

"ہاں بس..." حوالدار کو لفظ پی آر اتنا پسند آیا کہ ان کی بات ہی کاٹ دی۔ ہم تو اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہی پی آر کی وجہ سے ہیں... افسروں سے پی آر عوام سے پی آر۔

"عوام کی مال و دولت سے پی آر..." اس مرتبہ ضمیر بھائی نے مکمل فرینک ہو کر ان کی بات کاٹی اور حساب برابر کیا مگر اب حوالدار صاحب مذاق کے موڈ سے باہر آچکے تھے۔

"اوئے... بس... زیادہ لفظوں کے ہیر پھیر کیے ناتو ہیرا پھیری کے جرم میں اندر کردوں گا؟"

"وہ جناب! میں دراصل آیا تھا..." حوالدار کے اشارے پر کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنی اوقات کو اچھی طرح یاد رکھنے کے بعد ایک بار پھر ضمیر بھائی نے ادب و آداب والا ماحول بنایا۔ "اچھا اچھا پہلے تم آیا تھے... تھے یا ابھی بھی ہو؟"

"نہیں جناب! میں آیا نہیں تھا بلکہ..."

"کمال ہے' کبھی کہتے ہو تم آیا تھے' کبھی کہتے ہو نہیں تھے... قانون سے غلط بیانی کا انجام جانتے ہو۔"

"وہ تو جناب! میں جانتا ہوں مگر..."

"اچھا اچھا یعنی قانون جانتے ہوئے بھی اس کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔" حوالدار نے آنکھوں کی کروٹ بدلی تو ضمیر بھائی حقیقتاً" بوکھلا گئے۔

"لیکن جناب! میں نے تو کوئی بھی غلط کام نہیں کیا۔"

"غلط کام نہیں کیا؟" حوالدار نے یوں حیرت سے دیکھا جیسے کرسی پر ضمیر بھائی کی جگہ کوئی مشکوک تھیلا موجود ہو۔

"ارے پولیس اسٹیشن تو آئے ہو نا۔ یہ کوئی اچھا کام کیا تم نے؟"

"ہاں جی واقعی یہ تو میں نے بڑا غلط کام کیا۔" ضمیر بھائی نے اس وقت کو کوسا جب وہ علی کی بات مان کر فوراً" سے گھر سے نکل آئے تھے اور معاملے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حوالدار کی ہاں میں ہاں ملانے میں ہی عافیت جانی۔

"تم نے یہاں آکر غلط کام کیا؟ یعنی تم پولیس اسٹیشن کو غلط کاموں کا اڈہ کہہ رہے ہو؟" حوالدار نے قانون لیوا حملہ کیا۔

"نن نن نہیں جناب! دراصل میرا مطلب تھا کہ سارے غلط کام تو آپ کے پاس ہی ہوتے ہیں... ان روزنامچوں میں۔" حوالدار کے گھورنے پر ضمیر بھائی نے اوپری دل سے اپنی بات میں آخری تین الفاظ شامل کرتے ہوئے سوچا کہ "تکرار ہاؤس" کے مکین تو وہ ہیں' پھر حوالدار آخر ان سے تکرار کرکے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ خوامخواہ کی فضول تکرار کرنے ہی کی وجہ سے تو ان کا گھر "تکرار ہاؤس" کے طور پر جانا پہچانا جانے لگا تھا۔

"جانتے ہو کہ دنیا میں سب سے کم جرائم جیل میں ہوتے ہیں؟" "جی جی... وہ بھی بس آپ کا تعاون ہی ہے' ورنہ تو..." ضمیر بھائی نے اپنی دانست میں تعریف کی تھی۔

"بس ہم تو ہر وقت جرم مٹانے میں لگے رہتے ہیں... دیکھو میز پر ابھی بھی انک ریموور رکھا ہوا ہے جہاں کہیں جرم لکھا نظر آئے فوراً" اس سے مٹا دیتے ہیں۔"

"جی وہ تو سب ٹھیک ہے' لیکن میں حاضر ہوا تھا

کہ...."

"ارے لائن حاضر تو ہم ہوتے ہیں' تم کہاں حاضر ہوئے تھے؟ کیا تم بھی ہم میں سے ہو؟" حوالدار نے ضمیر بھائی کو ستر سالہ بیوی سمجھتے ہوئے بوریت سے دیکھا۔

"نہیں میں تو ضمیر ہوں' جو آج کل شاید پولیس والوں کے پاس کم کم ہی نظر آتا ہے اور ویسے بھی سنا ہے کہ قانون کا کوئی رشتہ دار نہیں ہوتا۔"

"یعنی یہ فادر ان لاء' مدر ان لاء' برادر ان لاء اور سسٹر ان لاء سب تمہارے ہیں؟" ان باتوں سے ضمیر بھائی کو حوالدار کے دماغ پر کچھ شبہ ہونے لگا تھا اور انہیں احساس ہو رہا تھا کہ جب وہ دوسروں سے اس طرح کی بے تکی باتیں کرتے ہیں تو ان پر کیا بیتتی ہے۔

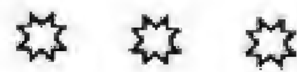
"اوہو.... میں یہاں کام کے لیے آیا تھا؟"

"تو پھر اٹھ کر کام کرو' بیٹھے ہوئے کیوں ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کے افسر کے پاس ہی چلا جاؤں اور ان ہی کو ایک چیک بک چوری ہونے کی رپورٹ لکھواؤں' کیونکہ آپ تو میرا سر کیا بال بھی کھا گئے ہیں۔" دھمکی کام کر گئی اور حوالدار فوراً" سیدھا ہو کر بیٹھ کر رپورٹ لکھنے کے ساتھ ساتھ مفت مشورہ بھی دینے لگا۔

"رپورٹ تو میں لکھ رہا ہوں' لیکن ہاں بال اگر کمزور ہیں تو آملہ استعمال کریں' بالوں کے لیے بہت اچھا ہے۔"

ضمیر بھائی نے اس سگھڑ حوالدار کی بات تو سنی' مگر دل میں سوچتے ہی رہ گئے کہ اگر آملے بالوں کے لیے اتنے ہی اچھے ہیں تو ہاشم آملہ کے سر پر بھلا بال کیوں نہیں ہیں۔



ابا کو اپنی قسمت پر بالکل عوامی ہونے کا یقین ہو رہا تھا اور وہ اس طرح کہ جب ان کے ہاتھ میں دولت لٹانے کو چیک بک تھی تو علیشا نام کی کوئی رنگینی نہ تھی اور جب رنگینی آئی تو دولت نہ رہی۔ بالکل اسی طرح جیسے عوام اور پیٹرول کے ساتھ ہوا۔ اور اب ہاتھ میں لائٹر پکڑے وہ یہ بات ہی سوچ رہے تھے کہ وہ کس قدر عقل مند ہیں جو انہوں نے گھر میں یہ دو تین لائٹرز رکھے ہوئے تھے۔ تب وہ ان لائٹرز کو اپنی فضول خرچی جان کر دیکھ دیکھ کر آنسو بہاتے تھے مگر آج انہیں دیکھ کر وہ ایسے خوش اور پرجوش تھے گویا گھر میں سگریٹ جلانے کے تین لائٹر نہیں بلکہ سونے کی تین اینٹیں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے لیے اب یہ فیصلہ کرنا بھی بے حد مشکل تھا کہ وہ ان لائٹرز کو کسی پیٹرول پمپ پر جا کر فروخت کریں یا اس کی بہترین قیمت کوئی گھریلو صارف اور موٹر سائیکل سوار ادا کر سکے گا۔

اسی سوچ بچار میں گم بیٹھے دل نے خواہش کی کہ کاش اس وقت چیک بک کا روگ نہ لگا ہوتا تو وہ لائٹرز بیچ کر رقم علیشا کو بھیج دیتے اور ان کی باقی رقم ویسے کی ویسے پڑی رہتی۔ اسی سوچ بچار میں تھے کہ چندا نجانے کیا سوچتے ہوئے مسکرا کر ان کے سامنے سے گزرنے ہی لگی تھی کہ انہوں نے روک لیا۔

"شاوا شے پتری' کتنی بار سمجھایا ہے کہ ہر ویلے نہ مشکرایا کر' بندے کا منہ ضائع ہو جاتا۔"

"ابا.... میں سمجھی نہیں' ضائع ہو جاتا ہے منہ کیسے؟" چند لمحوں پہلے کی مسکراہٹ بھی ایک ہی چیک بک کی طرح غائب ہوئی تھی۔

"اوئے.... ہر وقت مشکرانے سے منہ پر لیکیں (لکیریں) پڑ گئیں تے سمجھو منہ تے فیر ضائع ہو گیا کہ نہیں؟"

"جی جی بالکل...." ہمیشہ کی طرح چندا نے ان کی بات بغیر کسی بحث کے مانی۔ "اک تے میری چیک بک غیب ہو گئی ہے۔ میں تے کہتا ہوں جس نے وی میری چیک بک ڈھونڈی نا' میں نے ادی اس کو دے دینی ہے؟" ابا کی اس قدر اوپن سخاوت پر چندا ایک جھٹکے سے یوں رکی جیسے گاڑی کو پانچویں گیئر میں بریک لگی ہو۔

"ابا ایک نہیں تین بار قسمیں کھائیں کہ کہہ رہے ہیں آپ سچ۔" خوشی کے مارے چندا کا منہ کسی اسٹیج

ڈرامے کے اشتہار کی طرح ہو چلا تھا۔

"چل ٹھیک ہے کھاتا ہوں قسمیں، پر گل سن فیر میرے لیے روٹی نہ بنائیں... پہلے ہی تین قسمیں کھالی ہیں اوپر سے روٹی کھا کے بدہضمی نہ ہو جائے پتری۔"

"ٹھیک ہے ابا، روٹی بھی نہیں بناؤں گی اور خیال ہے میرا کہ مل جائے گی آج ہی آپ کو چیک بک بھی۔" چندا کی بات پر ابا نے اسے ان ہی نظروں سے دیکھا جن نظروں سے بس میں ساتھ بیٹھی عورتیں انہیں دیکھتی ہیں۔ یعنی شک کی نظر سے اور بادل ناخواستہ "میری چیک بک ہے کہ بیڈ کے ساتھ رکھی جی کہ فلو فٹ مل جائے گی؟"

"وہ میرا مطلب تھا... کہ میں کروں گی ابھی سے ہی دعائیں، کیونکہ جانتی ہوں کہ ہوتا ہے کتنا زیادہ اثر بیٹی کی دعاؤں میں۔" بمشکل بات سنبھالتے وہ کمرے سے نکلی تو ابا اپنی زبان سے داڑھ میں خلال کرتے ہوئے مونچھوں کو بڑے پیار سے سہلا کر بولے۔

"پتری جانتا ہوں میں کہ بیٹی کی دعائیں اور بیوی کی ادائیں کش وی کرواسکتی ہیں۔" سماعتوں میں اسی ٹیلی فونک حسینہ لاڈ اٹھواتا لہجہ جھولے جھول رہا تھا۔



علی لاؤنج میں بیٹھا گھر میں پیش آنے والے حالات و واقعات پر بغیر کسی کے کہے غور و فکر کر رہا تھا۔ جب اس نے چندا کو دبے پاؤں یہاں وہاں دیکھ کر سیڑھیوں سے نیچے اترتے دیکھا۔ سرگرمیاں کچھ مشکوک ہونے کا شک ہوا تو علی نے خود کو ذرا چھپا کر اسے مکمل مشکوک ہونے کا بھرپور موقع دیا۔ چوروں کی طرح دونوں اطراف میں دیکھ کر دھیرے دھیرے اب چندا لانڈری روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔

پورشن ان کا، لانڈری روم ان کا اور چندا کا یوں اس میں داخل ہونا، علی کے کان کھڑے کر رہا تھا۔ وہ تو شکر ہوا کہ ضمیر بھائی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے، ورنہ علی کا سیدھا دھیان ان کی طرف جاتا تھا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور ضمیر بھائی کا پھینکا ہوا جال ہے، جس میں پھنسنے کے لیے وہ سب سے چھپ کر لانڈری میں ملنے جا رہی ہے... لیکن چونکہ یہ خیال بھی درست نہیں تھا، اس لیے وہ تو گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کیونکہ پوری دنیا میں اگر کوئی ایسا بندہ ہے، جو چاہتا ہے کہ اس کے کام کا کسی کو پتا نہ چلے اور دکھاوا نہ ہو تو وہ صرف چور ہی ہے، اس کے علاوہ تو لڑکیاں بھی گھر میں برتن دھو کر ہر کسی کو جتاتی ہیں کہ ہم نے آج برتن دھوئے ہیں۔ اس تجسس میں علی بھی اٹھا اور جیسے ہی وہ لانڈری میں داخل ہوئی اس کے پیچھے ہی وہ بھی یوں اندر گھسا جیسے بس میں چڑھنے والا آخری مسافر ہو۔

"تم یہاں..." چندا نے غصے کا اظہار ایسے کیا جیسے علی ان کے پورشن میں ہو اور یہ لانڈری نہیں بیڈ روم ہو۔

"جی ہاں... کوئی اعتراض؟" علی کے انداز نے چندا کی یادداشت واپس دلائی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو یہ بتاؤ؟" علی نے چندا کے چہرے پر وہ کرب دیکھا جو آج سے کئی برس پہلے راگ رنگ دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ہوا کرتا تھا۔

"کیوں بتاؤں؟ میں کرتی ہوں ہر کام اپنی مرضی سے۔"

"مرضی سے؟" علی کو اس کی ڈھٹائی کے ساتھ ہی یاد آیا کہ اس وقت وہ دونوں اس چھوٹے سے لانڈری روم میں اکیلے کھڑے ہیں۔

"ہاں ہر کام کرتی ہوں اپنی مرضی سے، جب کرتی ہے مرضی ہنستی ہوں جب کرتی ہے مرضی خاموش رہتی ہوں، کسی اور کی نہیں سنتی؟"

"ارے واہ پورشن میرا، یہ لانڈری روم میرا اور اس میں چندا کسی اور کی... یہ نہیں ہو سکتا، جلدی بتاؤ یہاں کیا کر رہی ہو؟ ورنہ تمہارے ابا کو بلا لاؤں گا۔" ابا کا نام آنا تھا کہ چندا یوں اچھلی جیسے فرش پر اسپرنگ لگے ہوں۔ پہلے تو پیڈسٹل فین کی طرح دائیں بائیں گھومی پھر چہرے پر دردانہ تاثرات سجائے منمنائی۔

"یہاں رکھے تھے کل دھونے والے کپڑے۔"

"تم نے دھونے تھے؟"

”نہیں وہ... وہ چاہیے تھے مجھے۔“

”دھو کر تکیوں کے غلاف سینے تھے؟؟“

”نہیں‘ نہیں نہیں‘ پلیز بتادو کہ گئے ہیں کہاں وہ کپڑے؟؟“

”میں بتادوں تو مجھے کیا ملے گا؟“ لوہا گرم دیکھ کر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا۔

”کپڑے دھونے والے صابن کی ایک پوری ٹکیا... لیکن ابا کو نہ بتا دینا تم... ورنہ وہ ہو جائیں گے غصہ میری اس فضول خرچی پر۔“ ابا تو خیر جب غصہ ہوتے تب ہوتے‘ لیکن علی کو اس کی بات پر غصہ آگیا۔

”تم مجھ سے سرف کا پورا پیکٹ لے لو خدارا اور یہ نان رومانٹک باتیں نہ کرو۔“

”سمجھی نہیں میں تمہاری بات کا مطلب... چاہتے ہو کہنا کیا؟“ چندا دائیں بائیں شیلف پہ رکھے کپڑے دھونے کے اوزار دیکھتے ہوئے کہا۔

”یعنی تم سے لے کر سرف کا پورا پیکٹ‘ میں کروں دھلی دھلائی صاف ستھری باتیں؟؟“

”تو اب تم کون سا میرے ساتھ گندی گندی باتیں کررہی ہو؟؟“

”گندے کپڑوں کی باتیں تو ہوئیں نا گندی باتیں؟؟“ چندا نے علی کے عقب میں رکھے اس ٹب نما باکس کو دیکھا جس میں کل تک دھونے والے کپڑے موجود تھے۔

”ایک شرط پر بتاؤں گا کہ وہ کپڑے کہاں ہیں اور وہ یہ کہ پہلے تم مجھ سے دوستی کرو‘ پکی والی... اور اتنی پکی کہ فیس بک پر میں اسٹیٹس لکھوں تو تیس سیکنڈ میں تمہارا لائیک آئے‘ کسی فیس بک گروپ میں‘ میں لڑوں تو تم مجھ سے دو ہاتھ آگے نظر آکے میری غلط بات کو بھی سپورٹ کرو‘ میں پیج بناؤں تو لائیک کروانے کے لیے ہلکان ہو جاؤ‘ دوسروں کو ان بکس کر‘ کرکے میری تعریفیں کرو اور فیس بک کے کونے کونے میں میری تعریفیں کرکے لوگوں کو میرا مرید کردو‘ میرے خلاف آنے والے کسی بھی کمنٹ اور کمنٹ لکھنے والے کا وہ حال کرو کہ وہ ان بکس میں بھی میرے متعلق کچھ کہنے سے پہلے اپنی عزت بچانے کا سوچیں اور... اور ہاں...“

سامنے کھڑی حیران پریشان چندا کو اس کی باتیں سمجھ آرہی ہیں یا نہیں‘ اس بات سے قطع نظر وہ بات کرتے کرتے اس کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا۔ چندا کو لگا کہ علی اسے صابن اور سرف کی خوشبوؤں میں پرپوز کرنے والا ہے۔ فلموں کے مناظر آنکھوں کے آگے گھوم گئے تھے۔ پچھلی تمام دشمنی اور اختلافات کو نظر انداز کرکے چندا نے خود کو مزید رومانٹک ظاہر کرنے کے لیے اداکارہ شبنم کی طرح گہرے سانس ایسے لیے کہ لگا اس کا وقت نزع چل رہا ہو۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ گھٹنوں کے بل اس تک آنے والی محبت میں گھٹنوں گھٹنوں ڈوب جائے گی۔ علی اسے ایک دم دنیا کا وہ ہیرو لگنے لگا تھا جس کا نام آج بھی گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہیرو کے طور پر سب سے زیادہ فلمیں کرنے کے ریکارڈ موجود ہے اور آج سے نہیں گاؤں سے اسے سلطان راہی کی فلمیں پسند تھیں اور ابھی اسے علی بھی سلطان راہی ہی لگ رہا تھا اور جب اس نے محسوس کیا کہ علی کچھ بولنے لگا ہے تو اس کے ایک ایک لفظ کو اپنے ذہن و دل میں اتار لینے کے نیت سے اس نے آنکھیں بھی بند کرلیں اور گہرے سانس لینے لگی کہ علی کی آواز کانوں میں پڑی۔

”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ دنیا کے سب مسئلوں سے بشمول تمہارے ابا تمہیں بچالوں گا مگر تمہیں خدا کا واسطہ ہے‘ مجھے تنگ کرنے والے ہتھوڑا مار گروپ نما لوگوں سے بچالینا۔“ علی یقینی طور پر ان سے تنگ تھا‘ تب ہی اس کی آواز بھی لڑکھڑا گئی۔

”معاف کرنا علی... میری فیس بک ایک دفعہ گاؤں میں رہ گئی تھی مرغے کے آگے کھلی... اس نے پھاڑ دی اسی وقت‘ میں نے ابا سے کہا بھی کہ میری فیس بک پھٹ گئی ہے مجھے کروا دیں جلد‘ مگر ابا کہتے ہیں کہ خوب صورت لڑکیوں کو ہوتی نہیں ضرورت پڑھنے کی‘ کیونکہ کوئی بے وقوف ان کے لیے بڑی محنت سے بن

رہا ہوتا ہے' ڈاکٹر' انجینئر یا پھر دکان دار وغیرہ؟"

"آسان نہیں ہوتا ڈاکٹر' انجینئر بننا... جگر چاہیے ہوتا ہے جوانی برباد کرنے کے لیے۔" علی اس کی بات سے بدمزا ہوا۔

"تم کیا جانو کہ جب روم کی بیڈ شیٹ بھی ڈبل ہوتی ہے تو اپنے سنگل ہونے پر کیسا رونا آتا ہے۔ بس... بس اسی لیے کہہ رہا تھا کہ پیار نہ سہی پیار کا ادھار ہی کرلو... اور کچھ نہیں تو دوستی کرکے ادھار کا ٹوکن ہی پکڑا دو۔"

"چلو ٹھیک ہے' ہوگئی آج سے دوستی پکی۔" چندا نے سانسیں اپنی اوقات پر واپس لانے کے بعد ہلکا سا مسکرا کر گرین سگنل دیا تو وہ جو اتنی دیر سے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے موجود تھا جھٹ سے اپنے قدموں پہ کھڑا ہوگیا۔

"بس تو پھر آج سے میری پرابلم تمہاری پرابلم اور تمہاری پرابلم بھی تمہاری ہی پرابلم' منظور؟"

"ہاں... لیکن اب بتادو کہ گئے کہاں وہ کپڑے؟"

اس کی بات پر غور کیے بغیر چندا نے پھر سے اپنی بات دہرائی۔

"وہ تو خالہ نے آج ہی دھوبی کو دے دیے... لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ کیا ابھی سے میرے کپڑے دھونے کی ذمہ داری لینا چاہتی ہو۔" علی نے سلطان راہی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائی' باوجود اس کے کہ اس کی کوشش شاہ رخانہ تھی' لیکن چونکہ ابھی مکمل ماحول نہیں تھا اس لیے کامیاب نہ ہوسکا۔

"اوہ میرے خدا... اس میں تو میں نے رکھی تھی چیک بک ابا کی۔"

اور پھر علی کے پوچھنے پر اس نے تمام تفصیل یوں بتائی کہ وہ کسی لڑکی کی مدد کرنے کے لیے اسے کچھ رقم بھیجنا چاہتی تھی' جس پر اس کا خیال تھا کہ ابا راضی نہیں ہوں گے' بس اسی لیے چیک بک چوری تو کرلی مگر اس سے پہلے کہ اسے استعمال کرنے کا سوچتی' خلاف توقع معاملہ اتنا بگڑ گیا اور پھر تو علی کو چندا پر جو تھوک کے حساب سے پیار آیا اس کا شمار ہی نہیں۔

اسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ فطرتاً" نہیں بلکہ صرف مروتاً" ایک کنجوس لڑکی ہے اور اتنی سیلف میڈ ہے کہ اس نے خود کو سدھارنے کے لیے بھی کسی کی مدد نہیں لی۔ جتنا بگڑ سکی خود ہی اور اپنے ہی بل بوتے پر بگڑی اور اب جبکہ وہ علی سے پکی اور سچی والی دوستی کرچکی تھی تو پھر علی کو بھی دوستی کا فرض نبھاتے ہوئے اسے مزید بگاڑنا نہیں بلکہ مزید سدھارنا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا ابا کا سایہ اس کے سر پر سلامت نہ رہے' البتہ گھر پر سلامت ضرور رہے۔



اپنے گھر تو وہی جمانا مشکل ہوتا ہے
اس کے ہاں ہر سال نیانے ہوتے جاتے ہیں

جوں جوں بیگم نئی نویلی ہوتی جاتی ہے
توں توں شوہر پھٹے پرانے ہوتے جاتے ہیں

کسی کا تو پتا نہیں' البتہ ایک بار چینا کے ابا نے یہ ضرور کہا تھا کہ بیوی کو شوہر کی ضرورت شادی کے اوائل برسوں میں اور شوہر کو بیوی کی ضرورت آخری برسوں میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے اندازہ کیا جائے کہ شادی کے آخری برس کون سے ہیں تو چینا کے ابا کی ہی تحقیق کے مطابق عرض ہے کہ جب شوہر اپنی بیوی کی خود پر توجہ چاہتا ہو تو سمجھیں کہ بس اخیر ہی ہوگئی ہے اور خوش قسمت ہوتے ہیں وہ شوہر جن کو ان کی بیویاں اخیر دنوں میں بھی نئے نویلے سرتاج کی طرح ٹریٹ کریں... لیکن وہ خوش قسمت تو یقینی طور پر اسی دنیا کے کسی کونے میں ہوں گے اور نظر ہمیں اس لیے نہیں آتے' کیونکہ دنیا گول ہے تو اس کا کونا کیسے ڈھونڈا جائے۔ البتہ ضمیر بھائی کا شمار یقینی طور پر ان لوگوں میں نہیں ہوتا تھا' جب ہی اس وقت کھانا کھانے بیٹھے تو ڈونگے میں موجود تمام ٹنڈوں کا بھنلا دیکھ کر جل ہی تو گئے۔

"واہ بھئی واہ کمال ہے تم عورتوں کا... یعنی سارا سارا دن ٹی وی کے آگے بیٹھ کر کوکنگ پروگرام میں دنیا

بھر کے کھانے دیکھتی رہتی ہو اور شام کو شوہروں کے آگے ڈونگوں میں چھپا کر رکھ دیتی ہو یہ افسردہ سے ٹنڈے۔۔۔ دل تو چاہ رہا ہے ایک سیلوٹ دے ماروں تمہارے منہ پر۔۔۔"

اتنا دکھ اور کرب تو ضمیر کے چہرے پر بغیر استری کیے کپڑے پہننے پر بھی نظر نہیں آتا تھا' جتنا آج ان ٹنڈوں کو دیکھ کر آیا تھا۔ چینا بھی پریشان تھی' لیکن وہ ان عورتوں میں سے تھی جو کسی بھی محاذ پر شوہروں سے ڈرنا تو دور دبنا بھی نہیں جانتی تھی' اس لیے اندر اُمڈتے غصے کو زبان دی۔

"واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ ایک تو سارا دن کام کرو اور پھر شام کو شوہروں کے منہ سے اس طرح کے جلے کٹے جملے سنو تو چینا کی بات کان کھول کر سن لو ضمیر کہ بیویوں کا بھی دل چاہتا ہے کہ کوئی انہیں ایک سیلوٹ دے مارے تو وہ اسے اکیس توپوں کی سلامی کے بغیر وہاں سے بھاگنے نہ دیں۔"

چینا بھی موڈ میں نظر آئی تو ضمیر بھائی نے بڑی فرماں داری سے ڈونگے میں سے تین اٹکھیلیاں کرتے ٹنڈوں کو اپنی پلیٹ میں کھلا میدان فراہم کیا اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ان پر یوں دہی انڈیلی جیسے بارش ہو جانے پر کرکٹ اسٹیڈیم میں پچ پر ٹینٹ بچھائی جاتی ہے۔ اس تمام عمل کا مقصد خود کو چینا سے اور ٹنڈوں کو خود سے چھپانا تھا اور اب وہ ٹنڈوں پر بکھری دہی کا دھوکا دہی کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

"اب یہ الگ بات ہے کہ بیویاں اکثر اوقات دل کی دل ہی میں رہنے دیتی ہیں۔"

"چلو چھوڑو نا چینا اب جانے بھی دو' کیوں دوسروں کی بیویوں کی باتیں کر کر کے اپنے گھر کا ماحول خراب کر رہی ہو۔" ضمیر بھائی اب اتنی رغبت سے کھانا کھا رہے تھے کہ لگتا چند لمحے پہلے کی گئی باتیں انہوں نے عالم بے ہوشی میں کہیں تھیں۔

"واہ ضمیر۔۔۔ کاش چینا تمہیں فضول انسان کہہ سکتی۔" منہ بسورتے ہوئے وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی' تو ضمیر بھائی کو اپنی ہنسی خوشی ٹنڈے کھانے کی قربانی ضائع ہوتی نظر آئی۔ "فضول انسان؟ لیکن میں نے کیا کیا ہے؟"

"ظاہر ہے جو انسان فضول باتوں سے منع کرتا ہے وہ فضول انسان ہی کہلاتا ہے نا۔" چینا نے اپنے ذہن کے عین مطابق تشریح پیش کی اور پھر اس کا دھیان بٹانے کو بولی۔ "کیا بنا جہاں گئے تھے؟"

"میں وہاں کچھ بنانے گیا تھا یا انہیں بتانے؟"

"ہاں نا چینا کا وہی مطلب تھا کہ انہوں نے کیا کہا؟"

وہ حوالدار تو تھا نہیں یہ نیا تھا اور مجھے نہیں جانتا تھا۔" ضمیر بھائی نے نوالہ کا سموسہ بنایا "تمہیں نہیں جانتا تھا؟ پھر تو بڑی عزت سے ملا ہو گا نا۔"

"نہیں تو۔۔۔ پھر بھی ایسے ہی ملا جیسے پرانا جاننے والا ہو۔"

"اب کیا ہو گا؟" چینا نے پریشانی سے کہا۔

"اب میرے پیٹ میں درد ہو گا۔" ضمیر بھائی نے پلیٹ سرکا کر گلاس میں پانی ڈال کر پیا۔

"جو شخص قسطوں میں خودکشی کرنا چاہے نا' اسے چاہیے تم سے نہ سہی تم جیسی کسی نیم ککڑ سے شادی کر لے۔"

"تم نے چینا کو نیم ککڑ کہا ضمیر۔۔۔ کاش چینا تمہیں ککڑ کہہ سکتی۔" اور عین اسی وقت خالہ کے کمرے کے کھلے دروازے سے مسرت نذیر کی جھومتی آواز ضمیر بھائی کی آنکھوں سے ہوتی ہوئی چینا کے کانوں تک پہنچی۔

چٹا ککڑ بنیرے تے
ٹنڈیاں پکان والی اے
منڈا اک گیا تیرے توں

چٹا ککڑ نہ کریا کر
کھانا ای تے کھا رانجھنا
نیئں تے پراں ہو کے مریا کر

ابا اس وقت اپنے معمول کے مطابق روزانہ کے انسپکشن پر تھے اور ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہے

تھے۔ فریج کھولا تو ایک عجیب سی باس محسوس ہوئی' پاس میں کھڑی چندا کو کام کرتے دیکھا تو اپنے پاس بلایا اور خود پر زبردستی سائنس دانہ کیفیت طاری کرتے ہوئے بولے۔

" مجھے مسوس ہوتا ہے کہ فریج میں کوئی ایسی چیز ہے، جو اب فریج میں مزید رہنے کو تیار نہیں۔"

" ابا فریج تو آپ کے سامنے خالی ہے' ہو گئی ہے کیوں یہ غلط فہمی؟" چندا نے سامنے آکر دیکھا فریج میں ایک ڈھکی ہوئی پلیٹ کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

" تے وہ جو آدا کپ شوری بچا تھا ڈیڑھ ہفتے پہلے' وہ؟"

" ابا اسے تو رکھا ہے نا برف کے خانے میں تاکہ رہے فریز۔" چندا کی اس کفایت شعاری پر تو ابا دل کھول کر خوش ہوئے تھے۔ جب ہی اس نے بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے پانی پلانے کی فرمائش بھی کر دی اور خود واپس اسی کرسی پر بیٹھ گئی جہاں سے آئی تھی۔ ابا نے گلاس لیا اور ابھی آدھا گلاس پانی ڈالا ہی تھا کہ چندا بول اٹھی۔

" اتنا نہیں ابا... میں تو پیوں گی تھوڑا ہی۔"

" تے پہلے بتانا تھا نا... اب یاد آیا ہے کہ تھوڑا پانی پینا ہے' خواہ مخواہ سارا ضائع کیا۔" ابا نے فوراً" گلاس اٹھایا اور دو گھونٹ پانی ڈال کر اسے پکڑا دیا۔ نتیجتاً" گلاس کے اندر موجود سارا پانی فرش پر جا گرا تو بولے۔

" یہ سارا پانی تیری وجہ سے ضائع ہوا ہے' پہلے مجھے پتا ہوتا کہ تو نے صرف دو گھونٹ ہی پینا ہے تو ڈالتا ہی گلاس کی پچھلی سائیڈ پر... آخر ہم پاگل تھوڑی ہیں کہ پیسے تو دیں پورے گلاس کے تے استعمال کریں صرف اوپر والا حصہ... ہونہہ۔"

ابا عقل مندی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے کچن سے نکلے تو چندا نے سوچا کہ فریج میں رکھی ہوئی اکلوتی ڈھکی ہوئی پلیٹ کسی حق دار تک پہنچا دی جائے۔ بس یہ سوچ ذہن میں آتے ہی وہ اٹھی اور فرش پر بکھرے پانی کو ہوا کے حوالے کرتے ہوئے پلیٹ اٹھائی اور پہلا حق پڑوسیوں اور پڑوسیوں میں سے بھی دوست کا سمجھتے ہوئے سیڑھیاں ایسے اترنے لگی جیسے کوئی دل سے اترتا ہے۔ دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ!

اور اس کے کچن میں پہنچنے سے پہلے ہی علی وہاں پر کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ خود کلامی بھی جاری تھی۔

" مجال ہے، جو کبھی اس گھر میں کھانے کے لیے کوئی ڈھنگ کی چیز مل جائے... ادھر پیٹ میں چوہے دھرنا دیے بیٹھے ہیں اور بھوک بھی خٹک رقص چھوڑ کر اب کھتک کر رہی ہے۔" اسی دوران چندا کچن میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھوں میں پلیٹ دیکھ کر علی کی آنکھوں کی مانند بڑتی چمک پھر سے ابھرنے لگی۔

" چندا تم؟ کتنے صحیح وقت پر آئی ہو... یقین کرو کتنی ہی دیر سے بس تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ اگر تم مزید کچھ دیر نہ آتیں تو جانے میرا کیا حال ہوتا۔"

ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ کو دیکھتے ہوئے علی نے تمام باتیں کیں۔ کیوں کہ اس وقت اس کے دل پر محبت پلیٹ کے اندر رکھی اس غائبانہ چیز کے لیے جاگ رہی تھی۔

" لیکن باقی سب گھر والے ہیں کہاں؟" چندا ان سب کیفیات کو اپنے لیے سمجھی تھی۔

" کیا میں تمہیں گھر والا نہیں لگتا؟"

" ہاں وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن..." چندا نے اسے اپنے قریب آتے دیکھا تو جملہ پورا بولا ہی نہیں گیا۔ علی کی آنکھوں میں موجود چمک چندا کے دل کی دھڑکن بجلی کی قیمتوں کی طرح بڑھاتی ہی چلی جا رہی تھی۔ بڑے اسٹائل سے بے خودی کے عالم میں وہ اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتا اس کے قریب سے قریب تر ہوا چلا جا رہا تھا اور اسے یہ سوچ سوچ کر ہی شرم آ رہی تھی کہ اب علی باقی تمام کے تمام ڈائیلاگ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولے گا۔ اور پھر اس کے قریب آکر جیسے ہی علی کی نظر کچن کے دروازے پر پڑی تو اسے کراس کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ایک منٹ... میں دروازہ بند کرلوں' کیوں کہ اگر کسی نے دیکھ لیا نا تو کچھ باقی نہیں بچے گا۔" چندا نے ایک بار پھر زور سے آنکھیں میچیں' وہ خود کو خوش قسمت سمجھ رہی تھی کہ اسے علی ملا جو اتنا سمجھ دار اور ہر بات کا خیال کرنے والا ہے۔

"اور تمہیں پتا ہے کہ ایسے کام ہمیشہ دروازہ بند کر کے کرنے چاہئیں تاکہ بندہ پر سکون بھی رہے اور کوئی ڈسٹرب بھی نہ کرے۔" بات کرتے کرتے وہ چندا کے قریب آیا اس کی آنکھیں کھلیں اور اس سے پہلے کہ وہ بھی کچھ کہتی علی نے بڑے ہی پیار سے اس کی ہاتھ میں پکڑی پلیٹ لی۔ وہ بھی یوں کہ چندا کا ہاتھ پکڑنا تو دور کی بات ہے ہاتھ ٹچ بھی نہ ہوا اور چندا کا یہ خیال کہ شاید وہ اس سے پلیٹ لے کر ٹیبل یا شیلف پر رکھنے لگا ہے ایک بار بھی غلط ثابت ہوا اور وہ فوراً" سے اوپر پلیٹ ہٹا کر اندر سے بریانی کھانے لگا۔

"دوسروں کا تو پتا نہیں... لیکن ہمارے گھر میں اگر کوئی باہر سے چیز لے کر ہمارے گھر دے تو وہ چیز وصول کرنے والا خوش نصیب اس طرح دروازہ بند کر تنہائی میں ہی کھا لیا کرتا ہے۔"

"لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو تم..." علی کا غیر متوقع رد عمل دیکھ کر چندا کا وہی حال تھا جو عین باؤنڈری پر کھڑے کرکٹ پلیئر کا کیچ چھوٹ جانے پر ہوتا ہے۔

"بہت رومانٹک ہو رہا تھا نا؟" علی کے سوال پر چندا کی کھسیانی سی گھوری ہی تھی۔

"دراصل مجھے خوراک سے اتنا پیار ہے کہ جہاں کہیں مزے دار کھانا دیکھوں رومانٹک ہو جاتا ہوں۔"

"تم ٹھونسو یہاں بیٹھ کر... جا رہی ہوں میں۔"

"اچھا سنو... اگر جا ہی رہی ہو تو اندر سے کنڈی لگا جانا۔" علی نے اسے واقعی جاتا دیکھا تو بولا جس پر چندا حیران رہ گئی۔

"کنڈی لگا جاؤں اندر سے؟"

"ابھی تمہیں بتایا تو تھا کہ کسی نے دیکھ لیا تو کچھ باقی نہیں بچے گا۔"

"لیکن باہر جا کر لگاؤں گی کیسے اندر سے کنڈی؟"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اندر ہی رہو اور مجھے سوچنے دو کہ روشنی کی رفتار سے کیسے کھایا جا سکتا ہے۔" علی نے مستقل کھاتے ہوئے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ چندا بولتی وہ پھر سے بولا۔

"ویسے میں سوچ رہا تھا کہ گھر میں تو ہم نہ ایک دوسرے سے آزادانہ مل سکتے ہیں نہ دیر دیر تک باتیں کر سکتے ہیں' تو کیوں نا تم بھی میرے ہی کالج میں ایڈمیشن لے لو' یہ مسئلہ تو حل ہو۔"

"ہم تو آئے ہی ہیں شہر اعلا تعلیم حاصل کرنے... اور اس کام کے لیے تو ہیں ابا بھی راضی۔ بس ذرا ہو جائے نا حل مسئلہ چیک بک والا۔" چندا کے جوش سے لگتا تھا کہ کسی انعام شو میں تکا لگاتے لگاتے اس نے انعام کیچ کر لیا ہو۔

"بس تو پھر صبح کالج کے لیے تیار رہنا... چیک بک بھی مل جائے گی۔" اور ابھی اگلا جملہ پچھلے نوالے کی طرح اس کے منہ میں ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور سیلابی ریلے کی طرح چینا اور خالہ اندر داخل ہو کر ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔

"تم دونوں یہاں؟ یہ چینا کیا دیکھ رہی ہے؟" چینا نے حیرت سے ان دونوں کو بوکھلائے ہوئے دیکھا۔

"دونوں نہیں آپی ہم چاروں یہاں... اور آپ ہم تینوں کو دیکھ رہی ہیں۔" علی نے اسے الجھایا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا... چینا کیا اندھی ہے، جو چار لوگوں میں سے صرف تین کو دیکھ رہی ہے؟"

"ویسے چینا علی کی بات آدھی سچ ہی ہے کیوں کہ خود مجھے بھی صرف اور صرف تین ہی لوگ نظر آ رہے ہیں۔" خالہ بھی کنفیوز تھیں کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اگر کچن میں چار لوگ ہیں تو نظر تین کیوں آ رہے ہیں اور اگر تین ہی ہیں تو اس نے یہ کیوں کہا کہ ہم چاروں یہاں ہیں۔

"علی چینا کو سچ سچ بتادو کہ چوتھا کون ہے جسے تم نے چھپا رکھا ہے اور کیا چھپایا ہوا ہے؟"

"چینا، شش..." اچانک خالہ کے ذہن میں جانے کیا آیا کہ انہوں نے چینا کو اپنا کان ان کے منہ کے قریب لانے کو کہا اور خدا جانے انہوں نے کیا کہا کہ چینا کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سالن کے اوپر تیرتے آئل کی طرح واضح نظر آنے لگی۔

"نہیں خالہ... ابھی تو چینا خود بچی ہے... ابھی تو ایسا سوچا بھی نہیں کبھی' ورنہ سب سے پہلے یہ خوش خبری چینا آپ کو ہی بتاتی۔"

اسی دوران علی نے چندا کو اشارہ کیا کہ وہ کچن سے نکل جائے' لیکن یقینی طور پر اس کے لیے ہم سب معاملات نئے تھے اس لیے اشاروں کی زبان نہ سمجھ پائی اور زور سے بولی۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ نہیں ہے اور... کہاں سے لاؤں؟" اور تب علی سر پکڑ کر رہ گیا۔ کیوں کہ چینا اور خالہ اس دوران خالص "خواتینی" گفتگو سے چونک کر اب پھر ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"کیا لائی تھی یہ تمہاری باجی؟" چینا نے چڑ کر پہلے علی پھر اس کے ہاتھ میں موجود پلیٹ اور پھر چندا کو دیکھا۔

"آپی خدا کا واسطہ ہے زبان سنبھال کر بات کیا کریں۔" وہ جل کر رہ گیا تھا اور اس کا ذہن لمحہ کے ہزارویں حصے میں خود کو چندا کے بچے اٹھائے دیکھ رہا تھا اور دکھ کی بات یہ تھی کہ چندا کے بچے اسے ماموں ماموں پکار رہے تھے۔

"پیار کے رستے میں یہی دو لفظ سب سے بڑی رکاوٹ ہیں... بھائی اور باجی۔"

"تو پھر سیدھی طرح بتاؤ کہ تم دونوں یہاں کر کیا رہے ہو؟" خالہ نے شک کی نظر سے پوچھا۔

"آپ سے باتیں!"

"اس سے پہلے؟"

"آپس میں باتیں!"

"کچن میں باتیں؟ کیوں باقی گھر بند تھا کیا؟" چینا نے نکتہ چینی کی۔

"یہی تو مسئلہ ہے کہ باقی گھر کھلا ہوا تھا اور کیا کچن میں باتیں نہیں کر سکتے؟ یہ لائبریری ہے کیا۔" علی بری طرح زچ ہو گیا تھا۔

"دروازہ کیوں بند تھا؟ پہلے تو کبھی کچن کا دروازہ بند نہیں ہوا؟" خالہ کی نظر اسی زاویے پر رک سی گئی تھی۔

"آپ نے سنا نہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں؟ تو اگر دیواروں کے کان ہوتے ہیں تو پھر دروازہ ہوا ان کا منہ... بس اسی لیے ہم نے ان کا منہ ہی بند کر دیا تاکہ بے تکے سوال نہ کر سکیں۔" علی کا خیال تھا کہ اتنے تفصیلی جواب کے بعد اب وہ اور کچھ نہیں پوچھیں گی' لیکن خاموش رہنا "تکرار ہاؤس" کے اصولوں اور قوانین کے خلاف تھا بلکہ یہاں تو اس قدر تکرار کی جاتی کہ کوئی نیا آنے والا اپنے بال نوچنے پر مجبور ہو جاتا... یہی وجہ تھی کہ ضمیر بھائی اپنے ذاتی کلینک میں ہیئر ٹرانس پلانٹ شروع کرنے پر بھی غور کر رہے تھے۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن..." چینا مطمئن ہونے تک سوالات کرنا چاہتی تھی۔

"کاش آپ بھی دروازہ ہوتیں۔" علی نے دانت پیسے تو آخر کار چندا بولی۔

"وہ دراصل میں لائی تھی بریانی... اسے بھوک لگی تھی اس لیے اس نے سب سے چھپ کر کھالی۔"

"سب کھا گئے۔ ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا؟" خالہ صدمے کی کیفیت میں تھیں آنکھوں کے آگے اسٹیج پر تاج پہنے بریانی اور دھمال ڈالتے سامنے گول مٹول ٹنڈوں میں خود کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے۔

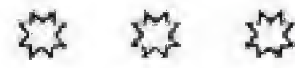
"سب کچھ تھوڑی خالہ... یہ ہڈیاں چھوڑی ہیں نا آپ کے لیے۔" وہ پلیٹ جسے اب تک وہ چھپانے کی کوشش میں تھا اس نے سامنے کر دی۔

"ویسے تم کیوں بریانی بانٹتی پھر رہی ہو؟ گھر میں

پڑی ہے کیا کسی کی؟" چینا نے پوچھا تو آگے بڑھ کر اپنی پلیٹیں لیتی چندا نے انکشاف کیا۔

"دراصل ابا کسی شادی میں گئے تھے' وہاں ان کی میز پر جب چلے گئے سب کھانا کھا کر تو ابا نے پلیٹیں صاف کرنے کے بہانے سب پلیٹوں میں سے چاول ڈال لیے شاپر میں اور اپنی جیب میں ڈال کر لے آئے میرے لیے۔۔۔ میرا دل نہیں چاہا تو سوچا کچرے میں پھینکنے سے بہتر ہے کہ کسی مسکین کو کھلا دوں کھانا۔"

اتنا کہہ کر چندا نے پیار بھری نظر سے علی کو دیکھا تو اس کے کھائے پیئے اجزا باہر آتے آتے پھر رک گئے البتہ چینا آپی اور خالہ کی ہنسی نہیں رکی تھی۔



یارب دل جیدی کو اک زندہ تمنا دے
تو خواب کے پیاسے کو تعبیر کا دریا دے
اس بار مکاں بدلوں تو ایسی پڑوسن دے
جو قلب کو گرما دے' جو روح کو تڑپا دے

ابا اپنے پورشن سے چھپ چھپ کر ضمیر بھائی اور چینا کو اپنے لاؤنج میں ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ پیار و محبت کی باتیں کرتا دیکھ کر دل ڈوبتا محسوس کر رہے تھے۔ یوں تو اب وہ عمر کے اس دور میں تھے کہ جب عشق بھی کئی بچوں کے ماں سے ہوتا ہے ایسے میں علیشا کا ان پر مرمٹنا ابا کو پھر سے نوجوان بنا گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ آج کل ان کا خالہ پر سے دھیان ذرا ہٹا ہوا تھا یہ الگ بات ہے کہ اپنے دل میں سیکنڈ آپشن کے طور پر خالہ کا نام بھی انہوں نے موجود رہنے دیا تھا اور گو کہ انہوں نے بادل ناخواستہ چندا کو کالج جانے کی اجازت دے ہی دی تھی مگر اپنے مستقبل کے لیے وہ بے حد فکر مند تھے۔ ایسے میں پولیس اسٹیشن سے آئے ہوئے ٹیلیفون میں انہیں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ پولیس نے ان کی چیک بک کے بارے میں نوے فیصد معلومات حاصل کرلی ہیں اور ان کے مطابق ابتدائی تفتیش سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایک نامعلوم دن میں کچھ نامعلوم افراد ان کے گھر آئے اور

کسی نامعلوم طریقے سے ابا کی چیک بک چوری کرکے نامعلوم نمبر پلیٹ کی گاڑی میں بیٹھ کر نامعلوم سمت میں فرار ہوگئے۔

اعلا افسران نے ان کی اس کارکردگی کو سراہتے ہوئے کچھ مراعات دینے کا بھی اعلان کیا ہے 'مگر ابا کے لیے تو خوشی کا دن وہ ہوگا جب چیک بک ان کے اپنے ہاتھوں میں ہوگی۔ بس یہی وجہ تھی کہ انہیں کسی طور بھی سکون نہیں مل پا رہا تھا اوپر سے ضمیر بھائی اور چینا کی آپس میں اٹھکیلیاں انہیں مزید جلا رہی تھیں۔

سو اپنی آنکھیں بھٹکنے سے بال بال بچاتے ہوئے وہ اس جگہ سے ہی ہٹ گئے جہاں سے انہیں دل جلا منظر نظر آ رہا تھا۔ اسی دوران خالہ ہاتھ میں کوئی کتاب لیے ضمیر بھائی اور چینا کے سامنے ہی صوفے پر آ بیٹھیں۔

"خالہ۔۔۔ آج کیا پڑھ رہی ہیں؟" چینا نے پوچھا تو یاددہانی کے طور پر ایک بار پھر سرورق دیکھا۔

"کسی کی "سانحہ عمری" پڑھ رہی ہوں۔"

"کس کی ہے خالہ یہ سوانح عمری؟" ضمیر بھائی کو بھی دلچسپی محسوس ہوئی۔

"پتا نہیں کس کی ہے۔۔۔ ابھی تو آدھی ہی پڑھی ہے' ہوسکتا ہے آخر میں کہیں نام لکھا ہوا ہو۔"

"چلو بھئی چینا تم خالہ کو پڑھنے دو اور مجھے ایک کپ چائے لادو۔" ضمیر بھائی نے چینل تبدیل کیا۔

"چینا تمہارے لیے چائے نہیں لائے گی۔ اتنی چائے پینے لگ گئے ہو یہ عادت چھوڑو اب۔"

"تو اور کیا یہ عادت چھوڑنا کہاں مشکل ہے 'میں خود کتنی ہی مرتبہ چھوڑ چکی ہوں۔" خالہ نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا۔

"ہاں تو میں خود کتنی مرتبہ چائے چھوڑ چکا ہوں۔۔۔ کپ کے آخری حصے میں۔" جملے کا آخری حصہ انہوں نے آہستگی سے ادا کیا۔

"ویسے چائے کا تو مزا ہی آخری گھونٹ میں ہوتا ہے اس لیے میں تو چاہتا ہوں کہ چائے کا آخری گھونٹ ہی نہیں ہونا چاہیے۔"

"اچھا سنو۔۔۔ چیک بک کا کچھ پتا چلا؟" خالہ نے سرگوشی کی۔

"ہاں خالہ وہ گم ہوگئی ہے۔" چینا نے یوں کہا جیسے کوئی نئی اطلاع ہو۔

اسی دوران باہر ہوتی بیل نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔۔۔ بیل اس قدر مسلسل ہو رہی تھی کہ لگا جیسے کوئی بیل کو مانجھ رہا ہے اور وہ تینوں بھی ایسے تیز رفتار نہیں تھے کہ فوراً" سے گیٹ کھولنے کو پہنچ جاتے۔ ابھی یہ ہی ڈسکس کیا جا رہا تھا کہ کون باہر جاکر اس بیل سے چمٹے ہوئے انسان کو الگ کرے گا کہ علی ان کو غصے سے دیکھتا گیٹ کی طرف بڑھا رات کو کمپیوٹر کے آگے بیٹھے رہنے کی وجہ سے شاید آج وہ چھٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سو رہا تھا۔ گیٹ کھولا تو سامنے دھوبی کھڑا تھا۔

"صاحب آپ کے کپڑے۔۔۔"

"تمہیں چاہئیں؟"

"نہیں جی میں تو دینے آیا ہوں۔"

"بیچنے کے لیے؟"

"نہیں علی صاحب یہ تو آپ لوگوں کے ہیں۔"

"ہمارے کپڑے ہیں تو تم نے کہاں سے لیے؟" علی یقیناً" ابھی تک نیند میں تھا۔

"صاحب آپ کے گھر سے۔"

"دن دیہاڑے چوری کرتے ہو شرم نہیں آتی؟"

"نہیں جی چوری تو میں رات کو کرتا ہوں۔۔۔" دھوبی نے اپنی ٹھوڑی گردن میں گم کرتے ہوئے شرمانے کی مسخرانہ حرکت کی۔

"میری منگیتر کہتی ہے کہ میں نے تو اس کی راتوں کی نیند چوری کرلی ہے۔"

"ہاں تو تمہیں ضرورت کیا تھی اس بے چاری کو خوابوں میں جاکر ڈرانے کی۔۔۔ مجھے کہہ دیتے۔"

"صاحب کام کی باتیں کریں۔۔۔ میں اپنی ذاتی زندگی میں کسی کو داخلہ نہیں دیتا۔۔۔" وہ مکمل طور پر برا منا گیا تھا۔

ویسے بھی ماں اور منگیتر کے بارے میں مشرقی مرد اتنے حساس ہوتے ہیں کہ کسی کو ان کے بارے میں

غلط بات کرنے کی اجازت نہیں دیتے... البتہ بغیر اجازت ہونے والی کارروائی کا ذمہ نہیں لے سکتے کہ شادی کے بعد جب یہی ماں اور منگیتر ساس بہو میں ڈھلتی ہیں تو گھر گھر میں ہونے والے چرچے بغیر اجازت ہی تو ہوتے ہیں، جنہیں سن کر بھی ان سنی کرنا انہی مشرقی مردوں کا قومی رویہ ہے۔

"لیں پکڑیں اپنے کپڑے اور یہ لیں اپنی چیک بک... آپ کے کپڑوں میں رہ گئی تھی۔" دھوبی نے غصے میں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو چیک بک دیکھ کر علی کا دل چاہا اسے پکڑ لے اور اتنا پیار کرے کہ اس کی زندگی میں برادرانہ پیار کی مزید گنجائش نہ رہے۔ فوراً" سے اس کے ہاتھ سے دونوں چیزیں اچک کر اندر پہنچا تو خوشی کے مارے چیختے ہوئے بولا۔

"مل گئی، مل گئی، ضمیر بھائی چیک بک مل گئی۔"

"چیک بک مل گئی... لیکن کہاں سے؟" ضمیر بھائی کے ساتھ ساتھ چینا آپی اور خالہ بھی کھڑی ہو گئی تھیں اور خوشی کے مارے تالیاں بجا رہی تھیں۔

"دھوبی لایا ہے آپ کے کپڑوں میں سے۔" جوش کے عالم میں علی یقیناً" ہوش کھو بیٹھا تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ چندا نے چیک بک لانڈری میں چھپائی تھی۔

"میرے کپڑے تو الماری میں ہیں... کیا دھوبی الماری میں کھڑا ہے؟" وہ کنفیوز تھے۔ ویسے بھی علی کا ماننا تھا کہ اگر بندہ کسی کو مطمئن نہ کر سکے تو پوری قوت سے اسے کنفیوز کرو۔

"دھوبی تو باہر ہے ضمیر بھائی، دھلے ہوئے کپڑے لایا ہے۔"

"دیکھو ذرا ایڈورٹائزمنٹ کی حد ہے نا... یعنی دھوبی نے بھی پیکیج شروع کر لیا ہے کہ دھلے ہوئے کپڑوں کے ساتھ چیک بک مفت۔" چینا خوشی میں ہنسنے لگی تھی مگر پھر علی نے آہستگی سے ساری حقیقت بتائی تو وہ سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔

"اگر تو اس کے ابا نے کالج جانے کی اجازت دے دی ہے اور وہ جلد ہی کالج جائے گی تو میرا خیال ہے کہ چیک بک ان کے حوالے کر دینی چاہیے اور ہم جا کر پولیس اسٹیشن بتا آتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ بے شک ہماری فکر نہ کریں۔" ضمیر بھائی نے بات ختم کر کے تائید حاصل کرنے کی غرض سے ان سب کو دیکھا اور اس سے پہلے کہ کوئی بھی کچھ بولتا پھر سے بول پڑے۔

"تو بس ٹھیک ہے... تم لوگ اوپر جاؤ میں تھانے جاتا ہوں۔"

"ہم نے بھی تمہارے ساتھ جانا ہے ضمیر۔" خالہ نے فوراً" ہی سلیپر اتار کر اپنی لمبی ہیل والی سامنے موجود سینڈل پہنی۔

"خالہ وہاں کسی کا ولیمہ نہیں ہو رہا جو آپ نے بھی جانا ہے۔"

"تم لوگوں کا یہی تو رویہ ہے جس کی وجہ سے میری اب تک شادی نہیں ہوئی۔" خالہ نے منہ بنایا۔

"جب تک مجھے ساتھ لے کر باہر نہیں جاؤ گے لوگوں کو کیسے پتا چلے گا کہ تمہارے گھر میں ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکی بھی موجود ہے۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ گیٹ کے باہر لکھ کر لگا دیتے ہیں کہ اس گھر میں ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکی بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ خواہشمند حضرات نکاح خوان کے ساتھ اندر تشریف لے آئیں۔" ضمیر بھائی نے چڑ کر کہا، مگر خالہ کے دل پر لگا اور اپنی چھوٹی انگلی آنکھ میں گھسا کر آنسو نکال ہی لیا۔

"یہ تو تم ہو نا ضمیر... کوئی اور ہوتا تو اپنی خالہ کی شادی کے لیے شادی دفتر کھول لیتا۔" ناک کے رستے سانس اوپر کھینچ کر خالہ نے سسکی بھری۔

"ویسے ضمیر... خالہ کا آئیڈیا برا نہیں ہے... اگر ہم شادی دفتر کھول لیں اور خالہ کے لیے اچھا سا رشتہ مل جانے کے بعد اسے بند کر دیں تو...؟" چینا نے ضمیر سے چندا طلب کرنے کے انداز میں مشورہ طلب کیا تو جواب بھی ویسا ہی ملا۔

"معاف کر دو مجھے... خدا کا واسطہ ہے معاف کر دو۔" ضمیر بھائی نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے اور باہر نکل گئے۔

"خالہ یہ ضمیر' چینا سے معافیاں کیوں مانگ رہا تھا؟"

"تو تمہارا دل ہے کہ تالیاں مانگتا؟" غصے میں خالہ صوفے پر بیٹھنے کے بجائے لیٹ ہی گئی تھیں ویسے بھی ہم مشرقی لوگ صرف بیٹھنے کی جگہ مل جائے تو لیٹنے کی خود بنا لیتے ہیں اور یہ تو پھر صوفہ تھا۔

"غصہ نہ کرو خالہ... اور شادی کا کیا ہے ابھی نہیں ہوئی تو کیا ہوا کچھ روز بعد میں ہو جائے گی... لیکن میں تو سوچ رہی ہوں تمہاری شادی اگر ہو بھی گئی تو ہم لوگوں کو بتاتیں گے تو بھی شرم آئے گی چھپائیں گے تو بھی۔" چینا کو مستقبل کی فکر ابھی سے ستانے لگی تھی۔

"ہاں تو کیا ہوا... شادی اور بدہضمی چھپائے نہیں چھپتیں اور جو چیز نہیں چھپتی اسے خود بتا دینا چاہیے۔" خالہ نے دیوار کی طرف کروٹ لے کر روٹھے روٹھے انداز میں کہا۔

"تو خالہ اس طرح تو تمہاری عمر بھی نہیں چھپتی نا تو بتا دیا کرو سب کو۔"

"چینا...!" خالہ ایک ہی جست میں یوں اٹھیں جیسے صوفے کے کشن کے نیچے سے سانپ نکلا ہو۔ آواز میں ایسی چیخ تھی جیسے کیلے کے چھلکے سے بھرے بازار میں گر پڑی ہوں۔

"سوری خالہ... مائنڈ نہ کرنا تمہیں تو پتا ہے نا کہ چینا کی تو مذاق کرنے کی عادت ہے ورنہ چینا تو تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

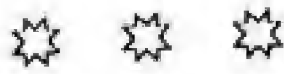
"وعدہ کرو کہ تم میرے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو۔" خالہ نے بے یقینی سے کہا۔

"وعدہ... پکا وعدہ!" چینا جوش کے مارے خالہ کے قریب آگئی تھی۔

"بس پھر آج کے بعد مجھے اپنا منہ نہ دکھانا۔" خالہ نے غصے سے کہا اور چینا کو اکیلا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"ہونہہ... کاش چینا انہیں بوڑھی گھوڑی کہہ سکتی' لیکن کیا کروں بڑی ہیں اس لیے عزت کر جاتی ہوں۔"

گہرا سانس بلے کر وہیں بیٹھتے ہوئے انہیں یاد آیا کہ علی کافی دیر سے نظر نہیں آیا سو اس کی تلاش میں اٹھ کھڑی ہوئیں' خالہ کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ذہن میں آیا تھا جس کے لیے علی کا ہونا ضروری تھا۔



ضمیر بھائی آج پہلے کی نسبت ذرا فرینک موڈ میں پولیس اسٹیشن پہنچے تو حوالدار سر جھکائے مکمل دھیان کے ساتھ کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ قریب جا کر انہوں نے گلا صاف کیا اور بولے۔

"السلام علیکم حوالدار صاحب... کیا حال چال ہیں؟"

"ٹھیک ہوں یار... بس ذرا سو سال کے اوپر کے قیدیوں کی سزا کم کرنے کی تجویز لکھ رہا ہوں۔" بات کرتے کرتے حوالدار نے ایک دم چونک کر ضمیر بھائی کو دیکھا اسے جیسے چھوٹے بچے فریزر میں رکھی آئس کریم کو دیکھتے ہیں۔

"آج تو جناب میں آپ کو خوش کرنے آیا ہوں۔" ضمیر بھائی نے ان کے دیکھنے کے انداز سے خود کو آئس کریم ہونا ہی ثابت کیا۔

"مجھے خوش کرنے آئے ہو؟ تو ایسا کرو چپ کر کے میرے دراز میں ڈال دو... جیب میں ڈال کر میں بعد میں خود ہی خوش ہو جاؤں گا۔" بیٹھنے کا کہے بغیر اس نے اپنے مطلب کی بات کی تھی۔

"حوالدار صاحب... شاید آپ سمجھے نہیں۔"

"اوئے..." حلق میں سے آواز نکالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"قانون کو بے وقوف سمجھتے ہو؟"

"نہیں نہیں دراصل وہ... میں یہ بتانے آیا تھا کہ چیک بک مل گئی ہے۔" ضمیر بھائی نے بات کو طول دینے سے گریز کیا۔ ویسے بھی پہلے اسٹیشن اور پولیس اسٹیشن دونوں میں بندے کو جکڑ لینے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کے ساتھ ایک حد میں رہنا چاہیے۔

"چیک بک مل گئی ہے؟ ہمارے بغیر؟ نہیں

ناممکن!" حوالدار کے لیے یقین کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا انوکھا کیس تھا جس میں چوری بھی پولیس کو بغیر بتائے ہوئی تھی اور اب برآمدگی بھی بغیر بتائے ہوگئی تھی۔

"اجی۔۔۔ ناممکن کا تو لفظ ہی میری ڈکشنری میں نہیں ہے حوالدار صاحب" ضمیر بھائی فخریہ بولے بات کرتے ہوئے اب وہ پھر سے اپنی کرسی سنبھال چکا تھا۔

"جناب کیا میں اسی طرح کھڑا رہوں گا؟"

"نہیں نہیں بے شک کوئی دوسرا پوز بنالو۔" حوالدار نے مفت مشورہ دیا۔ اور فرق بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے نہیں پڑتا۔ قانون آپ کی امیدوں پر پورا اترے گا۔"

"آپ تو جناب کرسی پر بمشکل پورے اتر رہے ہیں امیدوں پر کیا اتریں گے۔" ضمیر بھائی کے ساتھ یہاں بھی گھر والا سلوک ہو رہا تھا' سو چہرے پر مسکینی اتر آئی جسے حوالدار صاحب نے بھی نوٹ کیا۔

"دراصل پولیس اسٹیشن ہے ناں اتنا بجٹ نہیں ہے کہ یہ کرسی ٹوٹ گئی تو اور خرید لیں۔ پنکھے بھی ہم بجلی سے نہیں بلکہ کھڑکیاں کھول کر چلاتے ہیں۔" حوالدار نے مجبوری بتائی تھی۔

"اچھا اسی لیے آپ نے سر پر ٹوپی پہننے کے بجائے سلوا ہی لی ہے تاکہ ہوا سے اڑنہ جائے۔"

"ہاہاہا۔ بس جی یہ ٹوپی ڈرامہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔" ضمیر بھائی کی بات پر وہ کھسیاہٹ کا شکار تھا۔

"یہ تو بتا میں کہ چیک بک کی کیا کہانی ہے؟"

"جناب کہانی کیا ہونی ہے بس گھر میں ادھر ادھر ہوگئی تھی سو آج مل گئی۔"

"ہوں۔" حوالدار نے کچھ دیر سوچا اور لاک اپ میں بند دس بارہ بندوں کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"تم نے تو چلو گھر سے ہی کہیں سے چیک بک ڈھونڈلی' لیکن مجھے بتاؤ کہ اب بارہ بندوں کا کیا کروں جو تمہاری چیک بک چوری کرنے کا اعتراف کرچکے ہیں۔۔؟"

"جی؟ کیا مطلب؟" ضمیر بھائی نے حیرت سے لاک اپ کو دیکھا جس میں موجود سب ہی لوگ ایک زبان ہوکر پکار رہے تھے۔

"میں نے چیک بک چوری کی ہے۔ قسم سے میں نے چیک بک چوری کی ہے"

"ان سب کے اعتراف جرم کے بیان تو میں نے ٹیپ میں بھی ریکارڈ کرلیے ہیں۔" حوالدار نے مزید کارکردگی دکھائی۔

"وہ سب تو جناب ٹھیک ہے لیکن۔۔۔ اتنی پھرتی؟" ضمیر بھائی بے ہوش ہونے کے قریب تھے۔ کہ حوالدار نے سرگوشیانہ انداز میں انکشاف کیا۔

"سنا ہے کہ کچھ دینے دلانے کی بات طے ہوئی تھی تم لوگوں کی انار صاحب سے۔" حوالدار صاحب نے ضمیر کو کچھ یاد دلانا چاہا تو چونکہ یہ دینے کی بات تھی اس لیے اگر دینا بھی ہوتا تو یقیناً" وہ مکر جاتا اور یہاں تو اس

نے کوئی وعدہ کیا ہی نہیں تھا۔

"انار صاحب مجھے اس کیس کے بارے میں خاص طور پر بتا کر گئے تھے کہ جلدی حل کرنا ہے کیونکہ مدعی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ جو کہو گے ملے گا؟"

"ہاں تو انکار کب کیا ہے۔ باہر اتنی بڑی مارکیٹ ہے ناں۔ وہاں جاؤ جو بھی کہو گے ملے گا۔" ضمیر بھائی اب وہاں سے بھاگنے کے طریقوں پر غور کرتے ہوئے الٹا سیدھا بولے جا رہے تھے۔ حوالدار نے غصے سے دیکھا تو ایک نظر حوالات میں موجود لوگوں کو اور پھر حوالدار کو دیکھ کر اپنے آپ کو ہمت دلاتے ہوئے بولے۔

"میرا مطلب ہے کہ میں وہ چیک بک ایک دفعہ چیک کر لوں کہ چلتی بھی ہے کہ نہیں۔ پھر آتا ہوں۔"

"جاؤ جاؤ۔ مگر یاد رکھنا قانون کے ہاتھ لمبے بڑے ہوتے ہیں۔" حوالدار مسکرایا تو ضمیر بھائی پرائی آگ میں کودنے پر خود کو لعنت ملامت کرنے لگے اور حوالدار کو صاف صاف بتا دیا کہ وعدہ انہوں نے نہیں بلکہ ابا نے کیا تھا اس لیے ان کا اس معاملے میں کوئی لینا نہ سمجھا جائے البتہ دینا ہو تو وہ حاضر ہیں۔

ساری بات سمجھانے کے بعد آئندہ بھی تھانے نہ آنے کا عہد کر کے وہ بغیر پیچھے دیکھے گھر کے لیے نکل آئے تھے تاکہ گھر جا کر چینا کو بتائیں کہ وہ کس طرح بال بال بچ کر واپس گھر پہنچ گئے ہیں۔



حریص دل کے سنا ہے کہ چار خانے ہیں
مکیں بھی چار ہیں درکار اس جگہ کے لیے
خلیل خان تے جنگل میں جال پھیلایا
اٹھارہ سال کی نو عمر فاختہ کے لیے

ابا ہاتھ میں چیک بک لیے کبھی چیک بک کو دیکھتے اور کبھی چینا کو۔ ذہن میں علیشا کی نخرے دکھاتی آواز بھی حواسوں پر چھا رہی تھی۔ اور انہیں یقین تھا کہ علیشا بس اب ان کی مال و دولت کے پیچھے پاگل ہی ہو جائے گی۔ اور چینا پر بھی پہلے تو غصہ مگر بعد میں پیار آیا کہ اس نے انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔

"پتر۔ جب میں نے تجھے بتایا تھا کہ میں اسے پیسے بھیجوں گا تے فیر اپنی بے صبری' وی تے نئیں ناں کرنی چاہیے تھی۔ تے سوچ جے اگر یہ نیچے رہنے والے شودے ہمیں چیک بک واپس نہ کرتے۔ تے ہمارا تے فیر کونڈا ہو جانا تھا ناں۔"

"جی ابا۔ لیکن یہ لوگ نہیں ہیں اتنے برے بھی۔" چندا نے ان کی تعریف کرنے کی کوشش کی۔

"اوئے اتنے چنگے وی نئیں ہیں۔ تو ان کی باتوں میں نہ آ جائیں۔" چیک بک کو آنکھوں اور پھر سینے سے لگا کر وہ اپنے کمرے کی طرف مڑے۔

"تے گل سن۔ کالج کا داخلہ فارم وغیرہ جمع کروا کے تے کالج جانا شروع کر' آخر اسی لیے تے ہم شیر آئے ہیں۔"

"جی ابا۔ کروں گی ایسا ہی۔"

"تے آج پکانا کیا ہے؟" ابا کو ہر معاملے کی ٹینشن تھی اور کچن کی تو خاص طور پر تھی کیونکہ چندا کے اختیار میں ہوتا تو وہ بقول ان کے فضول خرچی کر دیتی۔ سو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ابا خود ہی بول اٹھے۔

"او جو ادا کپ شوربا رکھا تھا اوس دن۔ اس میں ایک آلو ڈال کر ابال لئیں' ادا تیرا تے ادا میرا' بچ گیا تے صبح دی چل جائے گا۔"

ابا نے اسے تازہ تازہ کالج جانے کا کہا تھا اس لیے وہ کم از کم آج کے دن ان سے کوئی اختلاف نہیں کرنا چاہتی سو انہوں نے بھی مسکرا کر اسے دیکھا اور کمرے میں چل دیئے کیونکہ ان کا اب بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً" سے پہلے علیشا کو یہ خوش خبری سنائیں مگر اس سے پہلے ہی نیچے کے پورشن میں ہوتی کھٹو پٹر اور پھر شور شرابے نے ان دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

تجسس کے مارے جیسے ہی چندا اور ابا نے اپنے مخصوص کارنر سے نیچے جھانکا تو ان دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں)

